(64)

آپس میں محبت کرو

(فرمودہ ۲۸ نومبر ۱۹۱۹ء)

حضور نے تشہد و تعوذ اور سورۃ فاتحہ کی تلاوت کے بعد فرمایا:۔

"میں بوجہ حلق کی تکلیف کے زیادہ نہیں بول سکتا، مگر چند الفاظ میں آپ کو اور باہر کی جماعتوں کو ایک اہم فرض کی طرف توجہ دلاتا ہوں۔ میرے نزدیک اس فرض کی ادائیگی میں ہماری جماعت میں بہت سُستی ہے حالانکہ وہ فرض نہایت ہی ضروری ہے۔ اور اس کے بغیر انسان انسان نہیں ہو سکتا۔ حضرت مسیح موعود علیہ السلام فرمایا کرتے تھے کہ انسان اصل میں اُنسان سے نکلا ہے جس کے معنے ہیں دو اُنس یا دو محبتیں۔ ایک خدا کی محبت اور ایک خدا کے بندوں کی محبت۔ پس انسان۔ انسانیت کے لیے سب سے پہلا جو قدم اُٹھا سکتا ہے۔ وہ یہی ہے کہ ایک طرف اس کو خدا کی محبت ہو دوسری طرف خدا کے بندوں کی۔ اگر انسان محبت سے خالی ہو تو اس کو انسان نہیں کہہ سکتے۔ بلکہ اس کو تو جانور بھی نہیں کہا جا سکتا۔ وہ تو جانوروں سے بھی بدتر ہو گا کیونکہ بہت سے لوگ انسان کہلاتے ہوتے بندر ہوتے ہیں۔ انسان کہلاتے ہوئے سؤر اور ریچھ ہوتے ہیں۔ ہو سکتا ہے کہ یہ سُؤر ہو یا شیر ہو یا چیتا یا بھیڑیا یا انسان کہلا کر بوجہ اپنی مکاریوں کے لومڑ ہو۔

اسی طرح ایک انسان انسان نظر آتا ہوا اپنی اخلاقی حالت کے لحاظ سے ان جانوروں سے بھی گیا گزرا ہو کہ دیکھنے میں تو انسان ہو۔ اور عادات کے لحاظ سے ریچھ سے بھی بدتر ہو یا سُؤر سے بھی بدتر ہو سکتا ہے کہ درندگی میں بھیڑیئے سے بھی بدتر ہو۔ مشہور ہے کہ شیر گرے ہوئے پر حملہ نہیں کرتا۔ مگر آدمی کہلانے والوں میں اس قسم کے ہوتے ہیں کہ گرے ہوئے پر بھی حملہ کرتے ہیں۔

حدیث شریف میں آتا ہے کہ قیامت کے دن بعض مجرم اونٹ کی شکل میں آئیں گے۔[1] جسمانی طور پر تو تعجب ہو سکتا ہے، لیکن رُوحانی طور پر یہ کوئی مشکل بات نہیں۔ ممکن ہے کہ ایک شخص کی روحانیت جس قسم کی یہاں ہو۔ اس کو متمثل کر کے اگلے جہاں میں اونٹ کی شکل میں دکھایا جائے۔ اس سے ثابت

[1] مکاشفۃ القلوب مصنفہ امام محمد بن الغزالی ترجمہ اُردو صفحہ ۴۶۵

ہوا کہ ہر انسان کے دو نقشے ہوتے ہیں۔ ایک اس کا ظاہری نقشہ۔ ایک باطنی۔ ظاہری نقشہ میں تو تمام انسان مشابہت رکھتے ہیں، لیکن باطنی میں ایک کی شکل دوسرے سے نہیں ملتی۔ اور جس طرح افراد کی حالتوں میں فرق ہے۔ اسی طرح اقوام کی حالت ہوتی ہے۔

پس انسان وہ ہے کہ جس میں دو محبتیں ہوں۔ ایک بندوں سے ہو۔ اور ایک خدا سے اور خدا کی محبت وہ ہے۔ جو نظر نہیں آسکتی۔ کیونکہ یہ ایک قلبی معاملہ ہے۔ اور بندوں سے جو محبت ہو وہ ظاہر ہو سکتی ہے۔ خدا سے محبت کا ثبوت بھی تب مل سکتا ہے۔ کہ اس کے مقابلہ میں خدا کی طرف سے بھی محبت کا معاملہ ہو۔ کیونکہ مشہور ہے۔ دل را بدل رہیست، لیکن خدا کے لیے تو یہ بات نہیں کہی جا سکتی۔ کیونکہ وہاں تو علم کامل ہے۔ پس جب ایک بندہ خدا سے سچی محبت رکھتا ہو۔ تو ہو نہیں سکتا، کہ خدا تعالیٰ اس سے محبت کا معاملہ نہ کرے۔ تو ایک انسان کا خدا سے دعویٰ محبت اسی وقت صحیح ہو سکتا ہے۔ جب خدا تعالیٰ کی طرف سے بھی محبت کا معاملہ ہو۔ یہ ایک بڑا رتبہ ہے۔ مگر انسانوں کی محبت تو تھوڑی سی بات ہے۔

مَیں دیکھتا ہوں۔ ہماری جماعت میں آپس میں وہ پیار اور محبت کم ہے۔ جو اسلام کہتا ہے کہ تمام لوگوں سے ہو۔ اسلام وہ پیار جو چاہتا ہے کہ ایک عیسائی سے ہو۔ ایک یہودی سے ہو۔ ایک آریہ سے ہو۔ ایک زرتشتی سے ہو۔ ایک سکھ سے ہو۔ وہ پیار جو بھائیوں بھائیوں میں ہونا چاہیئے۔ وہ تو یہ ہے۔ کہ كَأَنَّهُمْ بُنْيَانٌ مَّرْصُوصٌ (الصف: ۵) کہ جس طرح چُونے گچ دیوار میں یہ نہیں معلوم کیا جا سکتا۔ کہ فلاں اینٹ کہاں سے شروع ہوئی اور کہاں ختم ہوئی۔ اسی طرح بھائیوں بھائیوں کو آپس میں جڑے ہوئے ہونا چاہیئے۔ کہ غیریت نظر نہ آئے۔ پس یہ تو ایک بھاری چیز ہے۔ ہماری جماعت میں تو اس محبت میں بھی کمی ہے۔ جتنی کہ اسلام کے رُو سے غیر مذاہب کے لوگوں سے ہونی چاہیئے۔ یعنی جتنا کہ ایک احمدی کو ایک ہندو یا عیسائی سے پیار ہونا چاہیئے۔ اتنا پیار احمدیوں کا آپس میں نہیں۔ اور وہ پیار جو آپس میں ہونا چاہیئے۔ وہ تو بڑی بات ہے۔ اور یہ پیار اور محبت انسانیت اور اسلام کا پہلا زینہ ہے۔ افسوس کہ اس میں بھی بڑی کمی ہے۔ اور جب ابھی پہلا زینہ ہی طے نہ کیا ہو۔ تو دوسرے زینے کیسے طے ہو سکتے ہیں۔

اس لیے مَیں اپنی جماعت کو خاص طور پر توجہ دلاتا ہوں کہ اخلاق فاضلہ ایک بڑی چیز ہیں۔ اور دنیا کی جمعیت کا ان پر انحصار ہے۔ اپنے حقوق پر ہی زور دینا کامیابی کا موجب نہیں۔ بلکہ قربانی کرنا کامیابی کا ذریعہ ہوتا ہے کیونکہ اگر حقوق پر ہی زور دیا جاتے تو دُنیا سے امن رخصت ہو جاتے۔ دیکھو اگر ایک بھائی مر جائے اور اپنے یتیم بچے چھوڑ جاتے تو دوسرے بھائی کہہ سکتے ہیں کہ ان بچوں کا ہم پر کوئی حق نہیں کیونکہ انکا باپ اپنے حقوق زندگی میں ہم سے لیتا رہا ہے پھر اگر محلہ میں کوئی شخص فوت ہو تو اہل محلہ اسکے یتیم بچوں اور بیوہ بیوی کے متعلق کہہ سکتے ہیں کہ

ان کا ہم پر کوئی حق نہیں۔ اسی طرح شہر کے لوگ اور پھر ایک قوم کے لوگ اپنی قوم کے ایک فرد کے بچوں کے متعلق کہہ سکتے ہیں کہ ان کا باپ اپنی زندگی میں اپنے حقوق ہم سے لیتا رہا۔ ہم ان بچوں کی نگہداشت نہیں کر سکتے۔ اسی طرح ایک حکومت کہہ سکتی ہے۔ یا اگر کوئی شخص پاگل ہو جائے۔ تو اس کی اولاد کی پرورش سے اس کے رشتہ دار۔ اس کے قریبی اور اہلِ محلہ اور اہلِ شہر اور حکومت دست بردار ہو جائیں۔ اس سے معلوم ہوا کہ صرف حقوق ہی دُنیا کی ترقی کا موجب نہیں۔ بلکہ حقوق کے سوا بھی کوئی چیز ہے۔ اور وہ قربانی ہے اور محبت ہے۔ اگر ایک انسان ہمیشہ حق پر ہی بحث کرتا ہے۔ تو اگر وہ بیمار ہو جائے یا مر جائے۔ اور اس کے رشتہ دار اس کی مدد سے انکار کر دیں۔ تو ان کو کیا کہا جا سکتا ہے۔ پس یہ طریق شریعت نے وسیع کیا ہے۔ کہ تم حقوق پر ہی بحث نہ کیا کرو، بلکہ حقوق کے سوا محبت و اخلاص کو بڑھاؤ۔ اور قربانیاں کرو۔

ہمارے لیے جس وجود کو اُسوۂ حسنہ قرار دیا گیا ہے۔ اس پر کیا کیا سختیاں ہوئیں، لیکن جب وقت آیا۔ آپ نے ان کو معاف کر دیا۔ اور ان تمام تکالیف کو بُھلا دیا۔ جو مکہ والوں کی طرف سے آپ کو پہنچی تھیں۔ ایک وقت میں ان کی شرارت کی وجہ سے ان کو سزا بھی دی۔ یہ غلط ہے۔ کہ جو بعض لوگ شریر کو اس وقت چھوڑ دیتے ہیں۔ جبکہ وہ شرارت کر رہا ہوتا ہے۔ اگرچہ اس حالت میں بعض اوقات وہ معافی کی بھی درخواست کرتا ہے۔ لیکن وہ خفیہ خفیہ جڑیں کھود رہا ہو۔ پس وہ معافی اس کی معافی نہیں۔ نہ اس وقت اس کو چھوڑنا چاہیئے۔ ہاں جس وقت معلوم ہو جائے کہ اب یہ شرارت نہیں کرینگے۔ اور اس وقت ان کو سزا دینے میں انکی اصلاح نہیں ہو سکتی۔ تو پھر معاف ہی کرنا چاہیئے۔ اور ایسی حالت میں ہر شریف بلکہ ہر ایک مسلمان کا یہی فرض ہے کہ معافی دیدے۔ اور ان کے قصور سے چشم پوشی کرے، لیکن اگر ایک شخص آتا ہے اور کہتا ہے کہ مجھے معاف کرو۔ مگر اس کے افعال اس قسم کے ہیں۔ جن سے وہ اسلام کو تباہ کرنا چاہتا ہے۔ تو قطعاً وہ معافی کا مستحق نہیں۔ پس یاد رکھو۔ عفو۔ رحم۔ اخوتِ اسلامی اور محبت یہ وہ چیزیں ہیں جو اساس اسلام ہیں۔ جو ان کی طرف توجہ نہیں کرتا۔ وہ اسلام سے منہ پھیرتا ہے۔ پس چاہیئے کہ آپس میں محبت و پیار ہو۔ اسلام تو کہتا ہے کہ تم غیروں سے بھی محبت کرو مگر چونکہ آپس میں ہی محبت کی کمی ہے۔ اس لیے پہلے گھر سے شروع کرو۔ تم میں ہیں جو چشم پوشی کرتے ہیں۔ مگر بے موقع اور جہاں نہیں چاہیئے۔ مثلاً اگر کوئی شخص اس قسم کی باتیں کرتا ہے جن سے جماعت ٹوٹتی ہے۔ تو سُن لیتے ہیں اور چشم پوشی کرتے ہیں، لیکن اگر کوئی شخص ان کی ذات کے خلاف کہے۔ تو نہیں سن سکتے۔ تو اس کا نام چشم پوشی نہیں۔ یہ تو بد دیانتی ہے۔ قرآن کریم ایک موقع پر کہتا ہے کہ سزا دو۔ اگر اس سزا کے وقت میں کسی کے دل میں نرمی یا رحم پیدا ہو تو وہ مومن نہیں پس اگر کوئی شخص جماعت کو اپنی شرارت سے نقصان پہنچانے کے درپے ہے۔ تو اس کو سزا دو۔ اور اپنے

ذاتی معاملات اور دیگر امور میں رحم سے کام لو۔ کیونکہ خدا رحم کرنیوالوں سے محبت کرتا ہے۔ بعض حالات میں تو یہاں تک فرمایا ہے کہ جو شخص رحم نہیں کرتا۔ وہ مسلمان نہیں۔ یہاں اُلٹ بات ہے کہ لوگ ایسی باتوں پر چشم پوشی سے کام لیتے ہیں۔ جن سے جماعت کا شیرازہ بکھرتا ہو۔ لیکن وہ باتیں جن کا اثر ان تک محدود ہو اس پر غصہ کرتے ہیں۔ یہ ایمان کے نقص کی بات ہے۔ رحم وہ ہے۔ جو جڑ ہے اسلام کی اور اس کا تعلق تمام اقوام سے ہے۔ کہ اگر اس میں نقص ہے تو ایمان میں نقص ہے۔

میں اپنی جماعت کو خاص طور پر نصیحت کرتا ہوں کہ محبت و اخلاص کو آپس میں بڑھاؤ کہ ہر شخص دوسرے کے معاملات کو اپنے معاملات ہی محسوس کرے۔ آج کل کے بھائیوں کی حالت کو دیکھتے ہوئے میں یہ تو نہیں کہہ سکتا۔ کہ آپس میں ایسی محبت کرو۔ جیسی کہ بھائی کو بھائی سے ہوتی ہے۔ کیونکہ آجکل بھائیوں میں محبت نہیں۔ ہاں میں یہ کہہ سکتا ہوں۔ کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے وقت میں جو بھائی بھائیوں میں آپس میں محبت ہوتی تھی۔ وہ پیدا کرو۔ پُرانا محاورہ ہے کہ خون سفید ہو گئے۔ مگر اس کی حقیقت آجکل کُھلی۔ جبکہ بھائی بھائی آپس میں بالکل بے تعلق ہو گئے۔ اور کوئی رشتہ ایسا نہ رہا۔ جس میں محبت کو زیادہ تعلق ہو۔ پس تم ایسے رشتہ دار بنو۔ جیسے رسول کریمؐ کے زمانہ میں صحابہ تھے۔ اس زمانہ میں تم نے مسیح موعودؑ کو دیکھا ہے۔ تم لوگ آپ سے وابستہ ہو۔ پس جو رنگ محبت آپ میں دیکھا ہے وہ پیدا کرو۔ اس سے زیادہ اور واضح مثال کیا ہو سکتی ہے۔

پس یہ اساس ایمان ہے۔ جب تک اخوت نہیں۔ ایمان بھی نہیں۔ فَاَصْبَحْتُمْ بِنِعْمَتِہٖٓ اِخْوَانًا (آل عمران: ۱۰۴) کے یہی معنی ہیں۔ اخوت مومن کی علامات میں سے ہے۔ ایمان اور اخوت ساتھ ساتھ چلتے ہیں۔ میں نصیحت کرتا ہوں۔ اس کو یاد رکھو کہ آپس میں اخوت کے تعلقات کو بڑھاؤ اور جب تک اس پر عمل نہ کرو گے۔ آگے قدم نہیں اُٹھا سکو گے۔" (الفضل ۸ دسمبر ۱۹۱۹ء)